ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 05 No. 01. Jan-Mar 2026.Page#.1227-1242
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

A Research Study of the Economic and Financial Ijtihādāt in Fatawa Haqqania

فتاویٰ حقانیہ کے معاشی واقتصادی اجتہادات کا تحقیقی جائزہ

Muhammad Abu Bakar Saqi
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, The Imperial College of Business Studies, Lahore
abubakarsaqi@gmail.com
Dr. Mohammad Naveed Iqbal
Assistant Professor, Imperial College of Business Studies, Lahore

ABSTRACT

When the ijtihādī opinions of Mawlānā ʻAbd al-Ḥaqq Ḥaqqānī in the field of economics and finance are examined, it becomes evident that his thought reflects profound juristic insight and a distinguished standing in Islamic jurisprudence. In every economic and financial issue, he directly relies on the authoritative sources of the Ḥanafī School such as al-Hidāyah, Badā ʼiʿ al-Ṣanā ʼ iʿ, Fatḥ al-Qadīr, and Fatāwā al-ʻĀlamgīriyyah. He does not base his conclusions on personal inclination; rather, he grounds his opinions firmly in established legal principles and textual evidence.In addressing any juristic question, he first clarifies the nature of the issue, its operative cause (ʻillah), and its Sharʻī dimensions. He then presents the evidences of the Ḥanafī jurists and applies them thoughtfully to contemporary economic systems. His distinction lies in harmonizing classical legal principles, universal maxims, and the objectives of Sharī ʿah with the demands of changing times. Thus, he avoids both rigid traditionalism and unwarranted leniency, offering balanced, well-researched ijtihādī opinions that combine scholarly authority, authenticity, and relevance to modern realities.

***Keyword**: Fatawa Haqqaniyya, Mushārakah, Muḍārabah, livelihood, economics, ijtihādī opinions, and analytical review.*

دورِ جدید کا اہم ترین موضوع معیشت واقتصاد ہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق حقانی نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے معیشت واقتصاد کو دیکھیں تو یہ فقہ معاملات کا ایک شعبہ ہے اور فقہ معاملات دین کا ایک بہت ہی اہم شعبہ ہے اور جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عبادات کا مکلف بنایا ہے اسی طرح معاملات میں بھی کچھ احکام کا مکلف بنایا ہے۔ اور جس طرح ہمیں عبادات میں رہنمائی عطا فرمائی ہے، اسی طرح معاملات میں بھی رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کے وقت کن باتوں کا خیال رکھیں، کون سی چیزیں حلال ہیں اور کون سی چیزیں حرام ہیں، افسوس یہ ہے کہ ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں کے درمیان معاملات سے متعلق جو شرعی احکام ہیں ان کی اہمیت دلوں سے مٹ گئی ہے، دین صرف عقائد اور عبادات کا نام رکھدیا ہے، معاملات کی صفائی، معاملات میں جائز وناجائز، حلت وحرمت کی فکر اور حلال وحرام کی فکر رفتہ رفتہ ختم ہوگئی ہے، اس لئے بھی اس کی اہمیت زیادہ ہے کہ ان کے بارے میں غفلت بڑھتی جارہی ہے۔

معیشت و تجارت کی اہمیت

معیشت و اقتصاد کو اسلامی کسبی اصولوں پر اہمیت حاصل ہے اور مسلم ماہر معیشت کو یہ جاننا ضروری ہے کہ اصول کسب کیا ہیں اور ان میں اہمیت کس کو حاصل ہے۔ مولانا مفتی محمد شریف الحق مجددی معیشت و اقتصاد میں اصول کسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصول کسب تین ہیں۔

(1) تجارت۔

(2) زراعت۔

(3) صنعت۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کون افضل ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا۔ کہ تجارت افضل ہے۔ مگر ماوردی نے فرمایا۔ کہ زراعت اطیب ہے۔ اس لئے کہ اس میں توکل زیادہ ہے۔ امام نووی نے فرمایا۔ کہ بخاری کی حدیث سے صراحۃ ثابت ہوتا ہے کہ زراعت اور صنعت راجح ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں میں ہاتھ سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ انسان سب سے پاک جو کھاتا ہے وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کی آمدنی ہے۔ ان دونوں میں زراعت افضل ہے کیوں کہ اس کا نفع عام ہے حتی کہ انسان کے علاوہ جانوروں کو بھی پہونچتا ہے اور اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ سلطان اسلام کو اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت بھر بیت المال سے اخراجات لے لے۔[1] علامہ شریف الحق مجدی کے نزدیک اول درجہ بیوع کو حاصل ہے اور معیشت و اقتصاد کے اعتبار سے کسی بھی ریاست کا انحصار بھی بیوع پر ہی ہوتا ہے۔

حلت و حرمت کے اعتبار سے اشیاء کی اقسام

معیشت و اقتصاد کی اہمیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے ایک ماہر معیشت دان کو یہ بھی تعلیم دی ہے کہ وہ حلت و حرمت کے اعتبار سے ضروری علوم پر دسترس رکھے۔ علامہ غلام رسول رضوی نے معیشت و اقتصاد میں حلت و حرمت کو واضح پرکھنے اور حرام سے بچنے کیلئے شک کی صورت میں حلت کی طرف مائل ہونے، معیشت دان کیلئے حلت و حرمت کے اعتبار سے ضروری علوم پر دسترس رکھنے پر درج ذیل حدیث دلیل پیش کی ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ،" أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ: مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي، فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ، فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ".[2]

---

[1] مجددی، شریف الحق، مولانا، نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، طبع اول 2000ء، 4/430

[2] رضوی، غلام رسول، علامہ، تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری، تفہیم البخاری پبلشرز سنت پورہ، فیصل آباد س،ن۔ الرقم الحدیث 88: 3/320

ہم سے ابوالحسن محمد بن مقاتل نے بیان کیا، انہیں عبد اللہ نے خبر دی، انہیں عمر بن سعید بن ابی حسین نے خبر دی، ان سے عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے عقبہ ابن الحارث کے واسطے سے نقل کیا کہ عقبہ نے ابو اہاب بن عزیز کی لڑکی سے نکاح کیا تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ کو اور جس سے اس کا نکاح ہوا ہے، اس کو دودھ پلایا ہے۔ (یہ سن کر) عقبہ نے کہا، مجھے نہیں معلوم کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے کبھی مجھے بتایا ہے۔ تب عقبہ سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کس طرح (تم اس لڑکی سے رشتہ رکھو گے) حالانکہ (اس کے متعلق یہ) کہا گیا تب عقبہ بن حارث نے اس لڑکی کو چھوڑ دیا اور اس نے دوسرا خاوند کر لیا۔

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی نے حدیث مذکورہ کو جواز بناتے ہوئے حلت و حرمت میں شک کو دور کرنے کیلئے فرمایا کہ:
علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہر شئ جو ایک طرح سے حلال کے مشابہ ہو اور دوسری طرح سے حرام کے مشابہ ہو وہ مشتبہ ہے۔ حلال وہ شئ ہے جو یقیناً اپنی ملک ہو اور حرام وہ ہے جو یقیناً غیر کی ملک ہو اور مشتبہ وہ ہے جس کا اپنا ہونا یا غیر کا ہونا معلوم نہ ہو یعنی وہ نہ جانے کہ یہ شی میری ملک ہے یا کسی غیر کی ملک ہے اس میں تقویٰ اور پرہیز گاری یہی ہے کہ اس کو ترک کر دے یہ تقوی واجب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ معاملہ کرنے سے پرہیز کرتے جس کا اکثر مال حرام ہے اور بلکہ وہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرنے میں اجتناب کرے مجملہ تقویٰ یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص جو خراسان کا رہنے والا ہو بغداد جائے جبکہ اس کا والد بغداد کا باشندہ رہ چکا ہو تو وہ بغداد میں شادی کرنے سے اجتناب کرے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے باپ نے بغداد میں شادی کر لی ہو اور اس کی لڑکی ہو تو یہ عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسی کی بہن ہو۔ مزید فرماتے ہیں کہ حلال و حرام کی تین اقسام ہیں اشیاء کی تین قسمیں میں

1. پہلی قسم جو واضح طور پر حلال ہو جیسے روٹی کھانا۔
2. دوسری قسم جو واضح طور پر حرام ہو جیسے چوری کرنا۔
3. تیسری قسم جس کا حلال اور حرام ہونا واضح نہ ہو اور اس کی حلت اور حرمت کو صرف علماء جانتے ہوں وہ مشتبہ ہے عوام کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے جب تک کہ علماء اس کی پوری وضاحت نہ کریں۔

حدیثِ مذکورہ سے بعض علماء نے استدلال کیا کہ رضاعت میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ یہ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک سے زیادہ عورتوں کی شہادت سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لیکن جمہور علماء نے کہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن حارث کو شبہ سے بچنے کے لئے فرمایا تھا کہ ہاں سے پرہیز کرو کیونکہ ایک عورت کے کہنے سے اگرچہ حتمی حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ علماء نے اس بات میں اتفاق کیا ہے۔ کہ اس قسم کے قضایا میں ایک عورت کی گواہی کافی نہیں لیکن اس سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے تقوی کے طور پر: اس عورت کو نکاح میں رکھنے سے پرہیز کرنا اچھا ہے۔[3]

[3] رضوی، غلام رسول، علامہ، تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری، 3/320

معیشت واقتصاد میں حلال وحرام میں تفریق

اسلامی نظام معیشت میں جب ایک مسلم معیشت دان کو حلال وحرام کا سامنا کرنا پڑے تو اسے حکم ہے کہ وہ حلال کی طرف اپنا میلان رکھے اور ان امور کو ترجیح دے جو حلال کے قریب تر ہو شارحین صحیح بخاری نے اسی طرف دلائل دیے ہیں اور حکم شرع بھی یہی ہے ۔مزید اس بارے میں علامہ غلام رسول رضوی لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي السَّفَرِ، عَنْ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمِعْرَاضِ ؟ فَقَالَ: إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ فَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ، فَلَا تَأْكُلْ، فَقُلْتُ: أُرْسِلُ كَلْبِي، قَالَ: إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَكُلْ، قُلْتُ: فَإِنْ أَكَلَ ؟ قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ لَمْ يُمْسِكْ عَلَيْكَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، قُلْتُ: أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ، قَالَ: لَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى آخَرَ.[4]

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیر کے ذبیحہ کی حلت و حرمت کے شکار سے متعلق پوچھا گیا تو تو آپ نے فرمایا اگر اس کی نوک کی طرف سے لگے تو کھالو اور اگر چھڑائی کی طرف سے زخم کردے تو نہ کھاؤ کیونکہ وہ مردار ہے۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں ان پر اپنا کتا چھوڑتا ہوں اور بسم اللہ پڑھتا ہوں پھر اس کے ساتھ شکار پر دوسرا کتا پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہی اور میں نہیں جانتا ہوں کہ کسی کتے نے اس کو پکڑا ہے۔آپ نے فرمایا اسے مت کھاؤ تم نے صرف اپنے کتے پر بسم اللہ کہی ہے دوسرے کتے پر تو بسم اللہ نہیں کہی۔

علامہ غلام رسول رضوی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ یعنی شکاری کو یہ علم نہیں ہو سکتا کہ اس صورت میں شکار حلال ہے یا حرام ہے اس میں دونوں احتمال یکساں پائے جاتے ہیں اور جب ہر ایک کا شبہ ہو سکتا ہے تو اس سے بچنا بہتر ہے اس لئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے مت کھاؤ۔[5] اس سے معلوم ہوا کی اسلامی نظامعیشت میں حلت و حرمت کا تصور واضح ہے نا کہ دیگر مغربی نظام معیشت کی طرح کہ بس دولت بڑھاؤ، بھلے حلال ہو یا حرام ہے۔

معیشت واقتصاد میں غفلت

شیخ الاسلام مولانا عبد الحق حقانی نے قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے،اس جائزہ کو معیشت واقتصادِ اسلامی کا پس منظر کہہ لیں کیونکہ آج معیشتِ اسلامی کے نظام کا مقابلہ ان کے ساتھ ہے۔اسلامی معیشت واقتصاد میں فقہ معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چند سو سالوں سے مسلمانوں پر غیر ملکی اور غیر مسلم سیاسی اقتدار مسلط رہا اور اس غیر مسلم سیاسی اقتدار نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی تو اجازت دی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور مسجدوں میں عبادات انجام دیتے رہیں، اپنی انفرادی زندگی میں عبادات کا اہتمام کریں

[4] رضوی ،غلام رسول، علامہ، تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری،الرقم الحدیث 5476۔3/321

[5] علامہ غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری، 3/323

لیکن زندگی میں تجارت (Business) و معیشت (Economy) کے جو عام کام ہیں وہ سارے کے سارے ان کے اپنے قوانین کے تحت چلائے گئے اور دین کے معاملات کے احکام کو زندگی سے خارج کر دیا گیا، چنانچہ مسجد و مدرسہ میں تو دین کا تذکرہ ہے لیکن بازاروں میں، حکومت کے ایوانوں میں اور انصاف کی عدالتوں میں دین کا ذکر اوراس کی کوئی فکر نہیں ہے۔"[6]

تاریخی اعتبار سے جائزلیں تو یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا اور غیر مسلموں نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ چونکہ اسلام کے جو معاملات سے متعلق احکام ہیں وہ عمل میں نہیں آرہے تھے اور ان کا عملی چلن دنیا میں نہیں رہا اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت گھٹ گئی اور ان پر بحث و مباحثہ اور ان کے اندر کی اندر تحقیق و استنباط کا میدان بھی بہت محدود ہو کر رہ گیا ۔

معیشت واقتصاد میں نظام فطرت

معیشت و اقتصاد کے اعتبار سے تحقیقی جائزہ لیں تو فطری نظام ایسا ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے حساب سے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں، معاملات کا شعبہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب اس پر ہو رہا ہو تو نئے نئے معاملات سامنے آتے ہیں، نئی نئی صورتحال کا سامنا ہوتا ہے اس میں حلال و حرام کی فکر ہوتی ہے، فقہاء کرام ان پر غور کرتے ہیں، ان کے بارے میں استنباط کرتے ہیں اور نئی صورتحال کے حل بتاتے ہیں، ان کے بارے میں شریعت نے احکام سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔ مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"جب ایک چیز کا دنیا میں چلن ہی نہیں رہا تو اس کے بارے میں فقہاء سے پوچھنے والے بھی کم ہو گئے، اس کے نتیجے میں فقہاء کرام کی طرف سے استنباط کا جو سلسلہ چل رہا تھا وہ بھی دھیمہ پڑ گیا، میں یہ نہیں کہتا کہ رک گیا بلکہ دھیمہ پڑ گیا، اس واسطے کہ اللہ کے کچھ بندے ہر دور میں ایسے رہے ہیں کہ جو اپنی تجارت اور معیشت میں حلال و حرام کی فکر رکھتے تھے، وہ کبھی کبھی علماء کی طرف رجوع کرتے اور علماء ان کے بارے میں کچھ جوابات دیتے جو ہمارے ہاں فتاوی کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ پورا نظام غیر اسلامی تھا اس واسطے غور و تحقیق اور استنباط کے اندر وسعت نہ رہی اور اس کا دائرہ محدود ہو گیا اور اس کی وجہ سے معاملات کے سلسلے میں فقہ کا جو ایک طبعی ارتقاء تھا وہ سست پڑ گیا اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ جب ہم دینی مدارس میں فقہ اور حدیث وغیرہ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو سارا زور عبادات پر صرف کر لیتے ہیں اور جب معاملات کا باب آتا ہے تو چونکہ ذہن میں اس کی اہمیت کم ہو گئی ہے اور بازار میں اس کا چلن کم ہو گیا ہے، اس لئے اس پر کچھ زیادہ توجہ اور اہمیت کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی ۔[7]"

یہ واقعی ایک حقیقت ہے کہ دین کو سمجھنے والے جب دیکھتے ہیں کہ دن کے بارے سوال کرنے والے نہیں رہے تو، عام طور سے معاملات کے ابواب بھاگتے دوڑتے گزر جاتے ہیں، اس وجہ سے معاملات کی فقہ کو جاننے والے کم ہو گئے ہیں اور جب وہ کم ہو گئے ہیں تو ایک

[6] عثمانی، محمد تقی، مولانا، انعام الباری اردو شرح دروسِ صحیح البخاری، 6/42،

[7] عثمانی، محمد تقی، مولانا، انعام الباری اردو شرح دروسِ صحیح البخاری، 6/ 42

طرف بازار میں نئے نئے معاملات پیدا ہو رہے ہیں اور نئی نئی صورتیں وجود میں آ رہی ہیں، دوسری طرف ان صورتوں کو سمجھنے اور ان کے حکم کا استنباط کرنے والوں کی کمی ہو گئی ہے۔

اقتصادی علوم کا فقدان

دور جدید میں اگر ایک تاجر تجارت کر رہا ہے اور اس کو اس کے اندر روز مرہ نئے نئے حالات پیش آتے ہیں، وہ کسی عالم کے پاس جاتا ہے کہ بھائی میری یہ صورت حال ہے اس کا حکم بتائیں؟ اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ تاجر عالم کی بات نہیں سمجھتا اور عالم تاجر کی بات نہیں سمجھتا کیوں کہ دونوں کے درمیان ایک ایسا فاصلہ قائم ہو گیا ہے کہ ان کی بہت سی اصطلاحات اور بہت سے معاملات میں ان کے عرف اور ان کے طریق کار سے عالم ناواقف ہے۔

> "تاجر اگر مسئلہ پوچھے گا تو وہ اپنی زبان میں پوچھے گا اور عالم نے وہ زبان نہ سنی، نہ پڑھی، لہذا وہ اس کا مطلب نہیں سمجھ پاتا، عالم جواب دے گا تو اپنی زبان میں جواب دے گا جس سے تاجر محروم ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ علماء کے پاس جا کر ہمیں اپنے سوالات کا پورا جواب نہیں ملتا تو انہوں نے علماء کی طرف رجوع کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ سے علماء اور کاروبار کرنے والوں کے درمیان اور معاملات کے اندر بہت بڑا فاصلہ پیدا ہو گیا اور اس کے نتیجے میں خرابی در خرابی پیدا ہوتی چلی گئی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فقہ المعاملات کو سمجھا جائے اور پڑھا جائے۔"[8]

لیکن آج اہل ایمان میں یہ ذوق پھر سے تازہ ہو رہا ہے تاجر لوگ مسائل جاننے لگے ہیں اور تحقیقی بنیادوں پر عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سارے عالم میں ایک شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ شعور یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی عبادتیں شریعت کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے معاملات کو بھی شریعت کے سانچے میں ڈھالیں۔

فتاویٰ حقانیہ کے معاشی واقتصادی اجتہادات

معیشت واقتصاد کا تعارف و اہمیت پیش کرنے کے بعد اب ذیل میں فتاویٰ حقانیہ کے معیشت واقتصاد سے متعلقہ اجتہادات کا جائزہ لوں گا۔

مورثی جائیداد پر نفع کی برابر تقسیم

سوال:

موروثی جائیداد کے منافع کی تقسیم کا حکم سوال ہے کہ چند بھائی موروثی جائیداد میں مشترکہ طور پر اس طرح محنت کر رہے ہیں کہ ان کی کمائی میں تمیز کرنا مشکل ہے، اب ان میں سے ایک بھائی دوسرے بھائیوں کی کمائی سے انکار کر رہا ہے اور ان کو راس المال کے نفع سے محروم کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

---

[8] عثمانی، محمد تقی، مولانا، انعام الباری اردو شرح دروسِ صحیح البخاری، 6/43

فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر تمام بھائی آپس میں ایسا کاروبار کمر رہے ہوں کہ ان کی محنت میں تمیز نہ ہوتی ہو بلکہ مکمل طور پر شترکہ ہو تو اس محنت کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع میں تمام بھائی برابر کے حصہ دار ہوں گے کوئی بھی شریک پورے مال کا دعویدار نہیں ہو سکتا، لہذا صورتِ مذکورہ میں کسی ایک بھائی کو شرعا یہ حق حاصل حاصل نہیں کہ وہ اپنے دیگر بھائیوں کو ان کی محنت سے محروم کرے۔[9] علامہ ابنِ عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا:

لو اجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم و تما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأى [10]

"اگر چند بھائی اپنے والد کی چھوڑی ہوئی میراث میں مل کر کام کریں اور مال بڑھ جائے تو وہ سب کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اگرچہ وہ کام کرنے اور رائے دینے میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔"

مؤرث کی شراکت داری کا حکمِ شرعی

سوال:

شریک کی موت سے شرکت کا ختم ہونا سوال یہ دو آدمی آپس میں مشترکی کاروبار کرتے تھے کہ ان میں ایک کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا شریک کی موت سے شرکت ختم ہو جاتی ہے یا برقرار رہتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :

شراکت کے دوران جب کسی ایک شریک کا انتقال ہو جائے تو شرکت خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا شریک فوت شدہ کے مال میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔[11] علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن على الزيلعي : وتبطل الشركة بموت حدهما ولو حكماً. ولا فرق بين ان يعلم موت صاحبه أولا يعلم لانه عزل حكمى[12]

"شراکت (کمپنی) دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کے مرنے سے ختم ہو جاتی ہے، خواہ حقیقی موت ہو یا حکمی (مثلاً عدالتی طور پر مردہ قرار دیا جانا)۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ دوسرے شریک کو اس کی موت کا علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ حکمی طور پر معزولی (عزلِ حکمی) ہے۔"

غیر معلوم ملکیت پر کاشت کا حکم

سوال:

---

[9] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ پاکستان، 2009ء، 1430ھ، 6/323

[10] ابن عابدین محمد بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی، ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الشرکۃ، فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ، 5/223

[11] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/324

[12] علامہ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی الزیلعی ، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ، کتاب الشرکۃ، دار لکتب العلمیہ، ط اولی 1992۔ 5/333

شرکاء کی غیر حاضری میں مشترکہ زمین پر کاشت کا حکم سوال: ایک زمین چند آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے اور ہر سال بعض لوگ اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں جبکہ ان شرکاء میں سے چند غائب ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شرکاء کے غائب ہونے کی صورت میں اس مشترکہ زمین میں کاشت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ زمین شرعی ملک سے مشترکہ ہو تو غائبین کے حصص میں کاشت کرنا اُن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہر ایک اپنے اپنے حصّہ ملکیت میں کاشت کرے گا تاہم اگر دلالتاً غائب کی اجازت موجود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔[13]

لما قال العلامة ابن عابدين : وفى القنية عن واقعات الناطقي ارض بينهما فغاب له ان يزرع نصفها ود ولو اراد ذلك في ذلك ف العام الثاني يزرع احدهما فلشريكه ما كان زرع - [14]

"قنیہ میں واقعاتِ ناطقی سے منقول ہے کہ اگر دو افراد کے درمیان مشترکہ زمین ہو اور ان میں سے ایک غائب ہو جائے تو حاضر شریک کو حق ہے کہ وہ اس زمین کے اپنے نصف حصے میں کاشت کرے۔ اور اگر دوسرے سال بھی ان میں سے ایک ہی کاشت کرے تو اس کے شریک کو بھی اس پیداوار میں وہی حق ہوگا جو اس نے کاشت کیا ہے۔"

یہ حکم شراکت (مشترکہ ملکیت) اور زمین کی کاشت کے بارے میں ہے۔ یہاں اصول یہ ہے کہ مشترکہ زمین میں کسی شریک کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں بھی، حاضر شریک اپنی حصہ داری میں کام کر سکتا ہے، لیکن شریک کی عدم موجودگی اس کے حقوق کو ختم نہیں کرتی۔ اس طرح، اگلے سال بھی اگر کسی ایک شریک نے کاشت کی، تو دوسرے شریک کو اس کا حصہ ملنا واجب ہے کیونکہ ملکیت اور حقوق کا انحصار صرف موجودگی پر نہیں، بلکہ شراکت پر ہے۔

مضاربت کی حقیقت

سوال:

جناب مفتی صاحب! مضاربت کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب :

مضاربت شربت المال اور مضارب کے باہمی اشتراک کا وہ فائدہ مند معاملہ ہے جس میں رب المال کو اس کے مال کی وجہ سے اور مضارب کو محنت کی وجہ سے حصہ دیا جاتا ہے، ایسی حالت میں دونوں کے لیے اس معاہدہ کی پابندی ضروری ہوتی ہے بھر شرعی قواعد وضوابط کی روشنی میں ان کے درمیان طے پایا ہو[15]۔ علامہ ابو البرکات النسفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

قال العلامة ابو البركات التسفى : هي شركة بمال من جانب والمضارب / مين وبالتصرف وكيل و با لربح شريك وبالفساد اجير وبالخلاف غاصب و با شتراط كل

---

[13] شیخ الحدیث، مولانا عبدالحق، فتاویٰ حقانیہ ،6/326

[14] محمد امین بن عمر، العقود الدریۃ في تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، 2004، 1/91

[15] شیخ الحدیث، مولانا عبدالحق، فتاویٰ حقانیہ،6/345

الربح له مستقرت و با اشتراطه لرب المال مستبضع وانما تصح بما تصح به الشركة[16]

یعنی شراکت مختلف حالات میں مختلف احکام رکھتی ہے۔ اگر دونوں شریکوں کی طرف سے مال لگایا جائے تو یہ شراکتِ مال کہلائے گی، اور اگر کاروبار یا عمل کا انتظام کسی ایک شریک کو دیا جائے تو وہ وکیل ہوگا۔ جب منافع میں شریک کیا جائے تو شریکِ منافع ہوگا، جبکہ نقصان کی ذمہ داری نہ ہونے کی صورت میں شریک کو اجرت کا حق حاصل ہوگا اور وہ اجیر کہلائے گا۔ اختلاف کی صورت میں ایک شریک کو غاصب سمجھا جائے گا۔ اگر شرائط طے ہوں کہ سارا منافع ایک شریک کے لیے مخصوص ہو تو وہ مستقرؔ ہوگا، اور اگر شرط ہو کہ منافع صرف مال کے مالک کے لیے ہو تو وہ مستبضع کہلائے گا۔ اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ شراکت صرف اس صورت میں درست اور جائز سمجھی جائے جب وہ بنیادی شراکت کے اصولوں کے مطابق قائم کی گئی ہو۔ اس طرح، شراکت کے مختلف اسالیب اور حقوق و ذمہ داریاں واضح ہو جاتی ہیں اور ہر شریک کا حق محفوظ رہتا ہے۔

شراکت کے احکام اس کی نوعیت پر منحصر ہوتے ہیں اگر دونوں شریک مال لگائیں تو یہ شراکتِ مال ہے، اگر کسی ایک کو کاروبار کا اختیار دیا جائے تو وہ وکیل ہوگا، اور اگر منافع میں شریک کیا جائے تو شریکِ منافع شمار ہوگا۔ نقصان کی صورت میں اجرت کے مستحق کو اجیر کہا جائے گا، اور اختلاف کی حالت میں ایک شریک غاصب ہوگا۔ اگر شرط ہو کہ پورا منافع ایک کے لیے مخصوص ہو تو وہ مستقرؔ کہلائے گا، اور اگر منافع صرف مال کے مالک کے لیے ہو تو وہ مستبضع ہوگا۔ اصول یہ ہے کہ شراکت صرف اس صورت میں جائز اور صحیح ہے جب یہ بنیادی شراکت کے شرعی اصولوں کے مطابق قائم کی جائے۔

مضاربت میں نفع کا تعین

سوال:

مضاربت میں منافع کی تعیین کرنا سوال: عمر نے کر کچھ دس ہزار روپے تجارت کے لیے دیئے اور ببر پر شرط عائد کر دی کہ آپ مجھے سالانہ ایک ہزار روپے دیں گے بقایا منافع جتنا بھی ہو گا وہ آپ کا ہو گا، تو کیا ایسا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :

مضارب یا رب المال کا کسی خاص مقدار میں منافع کا اپنے لیے متعین کرنا خواہ ماہانہ ہو یا سالانہ مفسد فقد ہے، اس لیے ایسی صورت میں مضاربت فاسد رہے گی۔[17]

ربا کے جدید اطلاقات میں اجتہادی رائے

سوال:

جناب مفتی صاحب اسود کی تعریف کیا ہے اور یہ کن کن چیزوں میں کن صورتوں میں پایا جاتا ہے؟

الجواب :

---

[16] القاری الحنفی علی بن محمد سلطان، بحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار لکتب العلمیہ، ط اولی 2، 1992/ 31

[17] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/ 345

قرض دار کو کچھ رقم ایک خاص مدت کے لیے اس شرط کے ساتھ دینا کہ واپس کرتے وقت اصل زر سے زائد دے گا، سود کہلاتا ہے اور اسے اُدھار کا سود کہتے ہیں۔

لما قال الامام الجصاص الرازي : هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستنقرض ۔ [18]

یہ وہ قرض ہے جس میں شرط ہو کہ ایک معین مدت (اجل) کے بعد واپس کیا جائے اور اس کے ساتھ اصل رقم پر مال (سود / اضافہ) بھی لیا جائے۔

یہ بیان امام الجصاص کے تناظر میں ربوی معاملات (قرض اور سود) کی بحث سے متعلق ہے:

قرض مشروط

مراد یہ ہے کہ قرض لینے اور دینے میں ایک شرط رکھی جائے، مثلاً:

- مدت (اجل) مقرر کرنا کہ یہ قرض کب واپس کیا جائے
- اصل رقم کے ساتھ اضافی مال (سود) وصول کرنا

المستنقرض

فقہی اصطلاح میں یہ وہ اصل رقم ہے جو واپس کی جاتی ہے (قرض کی رقم) امام الجصاص کہتے ہیں کہ شرط کے مطابق اصل رقم پر مزید مال لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ ربا (سود) میں داخل ہوتا ہے۔

اگر قرض صرف اصل رقم کے عوض لیا جائے اور وقت پر واپس کیا جائے تو جائز لیکن اگر اصل رقم کے ساتھ زائد مال یا سود لیا جائے تو یہ ربوٰ قرض (قرض الربا) کہلائے گا۔ اس کی وجہ قرآن وحدیث میں واضح ہے کہ قرض میں زائد لینا ممنوع ہے امام الجصاص کے نزدیک "قرض مشروط، جس میں اصل رقم کے ساتھ اضافی مال لیا جائے،" یہ سود یا ربا کے زمرے میں آتا ہے اور حرام ہے۔

ایک ربوہ معاملات بیع وشراء کا ہے، حضور انور نے اس بارے میں کچھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ آپس میں ان کا تبادلہ برابر ہونا چاہئیے، وہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، بجو، کھجور اور انگور ہیں۔ ان اشیاء میں سود کی علت عند الاحناف قدر (پیمانہ) اور جنس ہے، اگر جنس بدل جائے اور کوئی چیز وزنی اور کیلی نہ ہو تو پھر تبادلے میں کمی بیشی جائز ہے، اگر کسی بھی چیز کے اندر قدر اور جنس ہو تو تبادلہ کے وقت کمی یا زیادتی کی تعریہ سود ہو گا، ان میں اُدھار کا معاملہ بھی سود ہو گا۔ اگر سود کی دونوں علتوں میں سے ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی جائزہ ہو گی لیکن اُدھار پھر بھی سود کے زمرہ میں آئے گا ۔[19]

حضور ﷺ نے چھ اشیاء کے بارے میں فرمایا کہ بیع وشراء میں اپس میں تبادلہ برابر ہونا چاہیے:

- سونا
- چاندی

[18] امام جصاص، الجامع لأحکام القرآن. بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی 1987ء. 1، 410/

[19] شیخ الحدیث، مولانا عبدالحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/ 195

- گیہوں
- بجو
- کھجور
- انگور

ان اشیاء میں سود (ربا) کی علت دو چیزیں ہیں:

1-قدر (قیمت یا پیمانہ)

جنس

اگر جنس بدل جائے اور کوئی چیز وزنی یا کیلی نہ ہو← تبادلہ میں کمی یا زیادتی جائز

اگر کسی چیز میں قدرت اور جنس دونوں ہوں← کمی یا زیادتی سود شمار ہو گی

ادھار (قرض) بھی سود کے زمرے میں آئے گا

اگر سود کی صرف ایک علت پائی جائے← بیع میں جائز تبدیلی، لیکن ادھار پھر بھی سود ہو گا

2۔ فقہی وضاحت

(الف) ربا النسیہ اور ربا الفضل

یہ وہ سود ہے جو ہم جنس اور ہم مقدار کی اشیاء کے تبادلے میں کمی یا زیادتی سے پیدا ہوتا ہے

مثال:

اگر آپ 1 کلو گندم کے بدلے 1.2 کلو گندم لیں ← یہ سود ہو گا

علت:

قدر (مقدار برابر نہیں)

جنس (ہم جنس اشیاء)

(ب) ربا النسیہ:

ادھار دینے میں زیادہ رقم لینا، یعنی قرض میں اضافی مال← ہر صورت سود

علت:

ادھار اور تاخیر (نسیہ)

ربا سے بچنے سے حیلہ سازی کا حکم

سوال:

آجکل بینک لوگوں کو ٹریکٹر خرید کر دیتا ہے، پھر بینک نے ٹریکٹر کمپنی کو جتنی رقم ادا کی ہوتی ہے اُس رقم کو گاہک سے بمع سود کے قسط وار وصول کرتا ہے، کیا اس سود سے بچنے کا کوئی حیلہ ہے؟

الجواب :

اس کی دو صورتیں ہیں:

1-صورتِ اول:

اگر بینک کمپنی سے ٹویٹر خرید کر خود آگے بیچتا ہے تو قسط وار زیادہ رقم قیمت خرید سے وصول کر سکتا ہے اور ثمن کی یہ زیادتی اُدھار کی وجہ سے ہے جو کہ شرعاً مرخص ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني واللہ : الايدالى انه يزاد في الثمن لاجل الاجل.[20]

صحیح رائے یہ ہے کہ اگر قیمت میں اضافہ کیا جائے صرف ادھار یا تاخیر کی وجہ سے، تو یہ سود شمار ہو گا۔یعنی، اگر کسی چیز کی فروخت میں بیع یا قرض کی مدت کے سبب زائد مال وصول کیا جائے، تو یہ جائز نہیں بلکہ ربا النسیہ (سود) میں آتا ہے۔

فقہاء حنفی کے مطابق، جب کوئی شخص کسی مال کی فروخت کرے اور اصل قیمت کے ساتھ اضافی رقم صرف ادھار یا مدت کی وجہ سے طلب کرے، تو اس میں ربا شامل ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع کی مقدار یا جنس میں تبدیلی نہیں بلکہ صرف وقت یا تاخیر کی بنیاد پر زیادہ لینا حرام ہے۔المرغینانی یہاں اسی بات کی تصریح کر رہے ہیں کہ ادھار کے عوض قیمت بڑھانا جائز نہیں، چاہے مال وہی ہو، پیمانہ وہی ہو، اور جنس بھی وہی ہو۔اس میں سود کی اصل علت اجل (مدت / ادھار) ہے، اور قرآن و سنت میں اس پر سختی سے منع کیا گیا ہے۔اس کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ادھار پر مال دیا جائے اور اضافی رقم مانگی جائے تو یہ حرام ہے، اور یہ ربا کے زمرے میں آتا ہے، چاہے بیع کی دیگر شرائط بالکل درست ہوں۔

2-صورتِ ثانی:

اگر بینک گاہک کا وکیل بن کر ٹریکٹر اپنے مؤکل کو خرید شدہ قیمت سے زیادہ پر دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ وکیل اپنے موکل کی شرائط کے مطابق چلے گا۔[21]

لما قال العلامة الكاساني : اذا قال له اشترلي جارية بألف درهم فاشترى جارية باكثر من الت تلزم الوكيل دون المؤكل لانه خالف امر الموكل فيصير مشتريا نفسي.[22]

اگر کسی نے کہا کہ میرے لیے ایک لونڈی ایک ہزار درہم میں خرید لو، اور وکیل نے زیادہ قیمت پر خریداری کر دی، تو نقصان کا ذمہ دار وکیل ہو گا، موکل نہیں، کیونکہ وکیل نے موکل کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

یعنی، وکیل کی طرف سے اضافی رقم دینے پر نقصان یا نقصان دہ فیصلہ صرف وکیل پر آئے گا، موکل اس کے لیے جوابدہ نہیں ہو گا۔فقہ حنفی میں وکالت (نیابت) کے اصول کے مطابق، وکیل کو موکل کے احکام کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔اگر موکل نے صاف طور پر قیمت یا حدود مقرر کی ہوں، تو وکیل اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔مراد یہ ہے کہ:

---

[20] علی بن ابی ابکر الرغینانی، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدیٔ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ت 2/42

[21] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/96

[22] الکاسانی الحنفی علاوالدین ابو بکر بن سعود بن احمد، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، م ثانیۃ، ط1984/ 29

1. وکیل صرف موکل کے حکم کے تابع ہوتا ہے، اور اگر وہ خود اپنی مرضی سے زیادہ قیمت ادا کر دے، تو یہ وکیل کی غلطی اور ذمہ داری ہے۔
2. موکل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ موکل نے اپنی مرضی یا حکم واضح کر دیا تھا۔
3. اس اصول کو "قیصر مشتری" کے ذریعے بیان کیا گیا ہے، یعنی وکیل نے خود اپنا فیصلہ لے لیا، موکل کے حکم کی مخالفت کی۔

یعنی بینک اگر وکیل بنا ہے تو وکیل کی طرف سے زائد ادائیگی نقصان کا ذمہ دار وکیل، موکل نہیں موکل صرف اس وقت ذمہ دار ہوگا اگر وکیل کو کھلی اجازت یا اختیار دیا گیا ہو۔

ربا کی رقم کا مصرف

سوال:

بینک کی طرف سے منافع کی شکل میں ملنے والی سودی رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اول تو بینک میں رقم رکھنے سے گریز ہی کرنا چاہئیے اور اگر مجبوراً حفاظت کی نیت سے رکھ دی جائے تو اس پر جو سود منافع کی صورت میں ملتا ہے وہ وہ بینک والوں کے لیے نہ چھوڑے بلکہ اُن سے لے کر غرباء اور فقراء پر بلانیت ثواب نہ صدقہ کردے۔[23]

قال العلامة الحصكفي: كما لو غصب عبدًا وأجره فينقص في هذه الاجارة ... وان استغله تنقصه الاستغلال او اجر المستعار ونقص ضمن النقصان وتصدق بما بقى من الغلة والاجرةقال العلامة ابن عابدين ، ويؤمران يتصدق بها لاستنفادتها ببدل حبيث وهو التصرف في مال الغير ۔ [24]

جیسا کہ اگر کسی نے کسی غلام یا مزدور کو زبردستی حاصل کیا اور اس کا اجرت لیا، تو اس اجرت میں کمی ہو گی۔ اور اگر اسے استعمال کیا جائے تو استحصال یا اجرت میں کمی آئے گی، اور جو بھی باقی اجرت یا پیداوار بچے، اسے صدقہ کر دینا چاہیے۔"

یعنی علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ جو باقی مال ہے اسے صدقہ کر دیں، کیونکہ یہ مال غیر کی ملکیت میں ہے اور جائز طور پر استعمال نہیں کیا گیا، اور اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء کے مطابق:

غصب شدہ مال یا مزدور:

اگر کوئی شخص کسی غلام یا مزدور کو غصب یا زبردستی حاصل کرے اور اس سے مزدوری یا اجرت حاصل کرے، تو یہ غیر قانونی یا ناجائز مال ہے۔

کمی یا نقصان:

اجرت یا پیداوار میں جو کمی واقع ہوئی، وہ اصل مال یا حق کے مطابق کم ہو گی۔ استغلال (استعمال یا فائدہ اٹھانا) کے باعث بھی نقصان آئے گا، لیکن جو بچا ہے وہ بھی ناجائز مال کی حیثیت رکھتا ہے۔

[23] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/197

[24] ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار 4/188

صدقہ واجب:

باقی بچا ہوا مال یا اجرت، چونکہ غیر کی ملکیت میں ہے اور ناجائز طور پر حاصل کیا گیا، اسے صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ یہ اصول قرآن و سنت کے مطابق ہے کہ جو بھی ناجائز طریقے سے حاصل ہوا، اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا بلکہ مالِ غیر کے حقوق کے لئے صدقہ یا حق ادا کرنا واجب ہے۔ ناجائز طریقے سے حاصل شدہ اجرت یا مال استحصال کے بعد بھی باقی مال اسے صدقہ کر دینا واجب ہے، کیونکہ یہ مالک کے حق کا ناجائز استعمال ہے۔

ربا اور مروجہ کرنسی نوٹ کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:

مروجہ کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں مساوات شرط ہے سوال ایک ملک کے میں کمی زیادتی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :

آجکل دنیا میں رائج الوقت کرنسی نوٹوں کی حیثیت ثمن عرفی کی ہے جن کو ہم فلوس نافقہ کہہ سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فلوس نافقہ کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ایک ہی ملک کی کرنسی کا تبادلہ بھی کمی پیشی کے ساتھ جائز ہے۔

لیکن امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے کہ آجکل پوری دنیا میں کاغذی کرنسی کا رواج ہے، سونا چاندی بامشکل بیعہ ہو کر رہ گئی ہے، اگر اس کے تبادلہ میں تفاضل کی اجازت دے دی گئی تو سود کا دروازہ کھل جائے گا لہذا امام محمد کے قول کے مطابق کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں تفاضل کو ناجائز قرار دینا چاہئیے۔[25]

قال العلامة ابن عابدين : قوله فلس بفلسين هذا عندهما وقال محمد لا يجوز.[26]

ان کے نزدیک 'فلس بفلسین' کہنا جائز ہے، جبکہ محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

یہ بیان کسی مالی لین دین یا معاوضے کے شرعی مسئلے سے متعلق ہے، جہاں ایک سے دوسرے کو دین یا ادائیگی کا تعلق ہے۔ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء میں اختلاف موجود ہے: کچھ اس کو صحیح سمجھتے ہیں اور کچھ (جیسے محمد) اس کی اجازت نہیں دیتے۔

ربا اور مرجہ کرنسی کی وضاحت

سوال:

آجکل غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت غیر ملکی کرسی کو اضافی قیمت پر خریدنا کاروبار عام ہے تاجر لوگ غیر ملکی کرنی کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، مثلاً سعودی ریال ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ تو کیا اس طرح غیر ملکی کرنسی کی خرید فروخت سود میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب :

---

[25] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/209

[26] ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، 4/118

سود متحقق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں اشیاء ایک ہی جنس سے ہو، اگر جنس مختلف ہو جائے تو ان میں تفاضل (یعنی) جائز ہے۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک کی کرنسی مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے، اس لیے ان کی خرید و فروخت میں کمی بیشی جائز ہے۔[27] لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک سعودی ریال ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابو الحسن القدوری رحمہ اللہ نے فرمایا"

قال العلامة ابو الحسن القدوري: فاذا عدم الوصفات الجنس اليه حل التفاضل والنساء وإذا وجد حرم التفاضل والنساء واذا وجد احدهما وعدم الاخر جل التفاضل وحرم النسأ [28]

جب جنس کی وضاحت نہ ہو تو تفاضل اور النساء دونوں جائز ہیں۔ اور جب جنس واضح ہو تو تفاضل اور النساء ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک موجود ہو اور دوسرا نہ ہو تو تفاضل جائز ہو گا لیکن النساء منع ہیں۔

غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ربا کے اصول کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ شریعت میں ربا اسی وقت متحقق ہوتا ہے جب ایک ہی جنس کی ربوی اشیاء کا تبادلہ کمی بیشی یا ادھار کے ساتھ کیا جائے۔ حدیث میں سونا اور چاندی کے بارے میں اصول بیان کیا گیا کہ اگر جنس ایک ہو تو برابری اور دست بدست ہونا ضروری ہے، اور اگر جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے بشرطیکہ قبضہ فوراً ہو۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک کی کرنسیاں الگ الگ جنس شمار ہوتی ہیں، کیونکہ ہر ایک کی قانونی اور مالی حیثیت مستقل ہے۔ لہٰذا سعودی ریال اور پاکستانی روپیہ دو مختلف اجناس ہیں۔ اس بنا پر ریال کو ۱۳ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کرنا بذاتِ خود سود نہیں بلکہ جائز تجارتی منافع ہے، بشرطیکہ معاملہ نقد اور دست بدست ہو۔ البتہ اگر ادھار یا تاخیر کی شرط ہو تو یہ ربا النسیئہ میں داخل ہو کر ناجائز ہو گا۔

خلاصہ تحقیق

مولانا عبد الحق حقانی کی معیشت و اقتصاد کے باب میں اجتہادی آراء کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ کی فکر گہری فقہی بصیرت فقہی مقام کی آئینہ دار ہے۔ آپ ہر معاشی و مالی مسئلہ میں براہِ راست فقہ حنفی کی معتبر مصادر کتب—مثلاً ہدایہ، بدائع الصنائع، فتح القدیر اور فتاویٰ عالمگیری سے استدلال کرتے ہیں اور اپنی رائے کو محض ذاتی رجحان پر نہیں بلکہ اصولی دلائل کی مضبوط بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ ہر فقہی سوال میں آپ پہلے مسئلہ کی نوعیت، علت اور اس کے شرعی پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں، پھر احناف کے دلائل نقل کر کے ان کی تطبیق عصرِ حاضر کے معاشی نظام پر کرتے ہیں۔ آپ کا امتیاز یہ ہے کہ نصوص کی روشنی میں فقہی اصول، قواعدِ کلیہ اور مقاصدِ شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے حالات و زمانہ کی رعایت بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح آپ نہ جمود کا شکار ہوتے ہیں اور نہ غیر محتاط توسع کا راستہ اختیار کرتے ہیں، بلکہ اعتدال اور تحقیق کے ساتھ ایسی اجتہادی آراء پیش کرتے ہیں جو علمی وقار، استناد اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔

---

[27] شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، 6/214

[28] الزبیدی، ابی بکر علی بن محمد الحداد، الجوھرة النیرة شرح مختصر القدوری، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط اولیٰ، 2006ء، 1/123

مصادر ومراجع

ابن عابدین محمد بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی، رد المحتار علی الدر المختار، دار النشر الکتب الاسلامیہ، 1993ء

امام جصاص، الجامع لأحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی 1987ء

رضوی، غلام رسول، علامہ، تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری، تفہیم البخاری پبلشرز سنت پورہ، فیصل آباد س، ن

زبیدی، ابی بکر علی بن محمد الحداد، الجوہرۃ النیرۃ شرح مختصر القدوری، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط اولیٰ، 2006ء

شیخ الحدیث، مولانا عبد الحق، فتاویٰ حقانیہ، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، نوشہرہ پاکستان، 2009ء، 1430ھ

علامہ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی الزیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الشرکۃ، دار لکتب العلمیہ، ط اولی 1992

علی بن ابی ابکر الرغینانی، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدئ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ت

قاری الحنفی علی بن محمد سلطان، بحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار لکتب العلمیہ، ط اولی 1992،

کاسانی الحنفی علاوالدین ابو بکر بن سعود بن احمد، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیۃ، م ثانیۃ، ط 1984

مجددی، شریف الحق، مولانا، نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، طبع اول 2000ء

محمد امین بن عمر، العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 2004